رَبُّ العالمین

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

زمین و آسمان کے مالک کا دسترخوانِ ربوبیت اپنی پوری وسعت، فراخی، تنوع، ہمہ گیری اور ہمہ پہلو خصوصیاتِ رزق رسانی کے ساتھ کائنات گیر سطح پر ہر طرف اور ہر کہیں ہر جگہ بچھا ہوا ہے، جس سے کائنات کا ذرہ ذرہ اپنی ضرورت اور حیثیت کے مطابق مستفید ہو رہا ہے۔ ہر لمحہ اور ہر لحظہ اُس کی ربوبیت کی نئی شان ہے اور ہر شان حیرت انگیز قدرت و ہمہ گیری کے ساتھ ساری مخلوقات کو رزق پہنچا رہی ہے۔

احادیث کی رُو سے اللہ تعالیٰ کے ننانوے صفاتی اسماء مبارک ہیں۔ جن میں سے ہر نام مالک کی کسی صفت کا مظہر ہے اور اس کی صفات لامحدود ہیں۔ اس کے مطیع فرمان بندہ کے لیے اُس کی ہر صفت پیاری اور دلنواز ہے۔ جس صفت پر بھی غور و فکر کیا جائے چشمِ تصوّر کے سامنے حیرت انگیز وسعتوں کا ایک وسیع منظر پھیل جاتا ہے اور انسان حیران و ششدر ہو کر رہ جاتا ہے، اس طرح وہ پوری بیچارگی اور بے بسی سے اپنی مجبوری اعتراف زبان سے بس اعترافِ حقیقت ہی کر سکتا ہے۔ بیانِ حقیقت اس کے بس سے باہر ہے۔ وہ جوں جوں ان صفات پر غور کرتا ہے اس کا سرِ عجزِ بندگی سے اور جھکتا چلا جاتا ہے۔ اس کی پیشانی اظہارِ بندگی کی سجدہ ریزی کے لیے بے تاب ہو جاتی ہے اور وہ اپنے مالک کے احسانات کے بوجھ سے دبا ہوا زبان سے الحمد للہ والشکر للہ کی تکرار کیے بغیر اور کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اس کی ہستی تو ان نعمتوں سے پورا پورا استفادہ کرنے اور اُن کا کماحقہ لفظی شکر بجا لانے تک سے عاجز ہے۔ مالک کی ہمہ گیر اور ہمہ نوع

وسیع نعمت رسانی کے مقابلے میں بندے کی محدودیت اور بے چارگی شکرِ خداوندی کا حق ادا کرنے سے قطعاً قاصر ہے۔

اِن صفاتِ خداوندی میں ربوبیت کی صفت ایک ایسی صفت ہے جس نے ساری کائنات کی ہر مخلوق کو پوری طرح اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ اس کی کارپردازی پر غور کریں تو اس ارشاد کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ موت اور رزق ہر ذی رُوح کا تعاقب کرتے ہیں اور اگر اس تک پہنچنے کے سارے راستے بھی مسدُود ہو جائیں تو ایک ذی رُوح کے پاس جس راستے سے اُس کی موت آسکتی ہے اُسی راستے سے اُسے رزق پہنچتا، اس کی ضروریات کا کفیل ہوتا اور اُس کی زندگی کا سبب بنتا رہتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری کلام میں اپنے بندوں سے اپنا سب سے پہلا تعارف جس صفت کے ذریعے کرایا ہے وہ یہی صفت ربوبیت ہے۔ سورہ فاتحہ کا پہلا ہی جملہ ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ "ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو پوری کائنات کا پالنے والا ہے"۔ گویا اللہ تعالیٰ پہلے مرحلے پر ہی اپنے بندوں سے اپنے جس نام کا سب سے پہلے تعارف کرانا حکمت و ضرورت کے عین مطابق سمجھتا ہے وہ اس کا محبوب صفاتی نام "رب" ہے اور اس کی صفتِ ربوبیت ہے۔ اپنی مخلوق سے اس صفت کا تعارف بلا شرط و تخصیص کرایا گیا ہے۔ اس میں ایمان و انکار کی بھی کوئی شرط نہیں ہے۔ یہ مالک کی وہ صفت ہے جو خالق کی حیثیت سے خود بخود اُس کی مخلوق ...... کے ساتھ لازم و ملزوم ہے اور خالق کے ذمے جس طرح مخلوق کا حقِ پرورش تسلیم کیا گیا ہے، اس میں مخلوق کی اس حیثیت کے سوا کہ وہ مخلوق ہے اور کوئی دوسری شرط نہیں لگائی گئی۔

رب کا لفظ جس مادّہ سے بنا ہے اس کے معنی ہیں پالنا پوسنا، پرورش کرنا، درست حالت میں رکھنا، عام خطرات اور نقصانات سے بچاتے ہوئے اور ارتقاء و نشوونما کے سارے اسباب فراہم کرتے ہوئے نقطہ کمال تک پہنچا دینا۔ اسی طرح یہ لفظ مالک، آقا، مربّی، پرورش کرنے والا، پروردگار، پالنہار، خبرگیری اور نگہبانی کرنے والا، فرمانروا، حاکم، مدبّر اور منتظم کے معنوں میں آتا ہے اور ان سب کا جامع ہے۔ ظاہر ہے کہ مالک اور آقا ہی اپنے غلاموں کی ضروریات کا کفیل اور

ذمہ دار ہوتا ہے۔ پروردگار اور خبر گیری کرنے والے کا تو کام ہی یہ ہے کہ وہ پرورش اور خبر گیری کرے۔ فرمانروا اور حاکم کا حقِ فرمانروائی اور حقِ حکومت بھی پرورش اور خبر گیری سے ہی متعین و مستحکم ہوتا ہے اور تدبیر و انتظام میں یہ بات بدرجہ اتم داخل ہے کہ جس کارخانۂ ہست و بود کا نظم و تدبر پیشِ نظر ہے اس کارخانے کی تمام مشینوں، تمام پرزوں اور اس کی دیگر تمام ضروریات کا اہتمام و انصرام بھی کیا جائے۔ اس لیے فی الاصل رزق رسانی، پرورش اور نگرانی و خبر گیری کی خصوصیات رب العالمین کی جملہ صفات میں اوّلین اہمیت رکھتی ہیں۔

اسی لیے اس نے اپنے کلام پاک میں اپنی اس صفت کا بار بار ذکر کیا ہے اور بندوں کو جس امر کی طرف سب سے زیادہ متوجہ کیا ہے وہ یہی ہے کہ بندے اپنے پالنے والے کی بندگی بجا لائیں۔ قرآن نے بندوں کو مالک کی آقائیت، ربوبیت، الوہیت، مسجودیت اور وحدانیت کی طرف متوجہ کیا ہے اور انھیں اس کے اعتراف کی دعوت بھی دی ہے لیکن یہ بات کہیں بھی نہیں کہی گئی کہ تمھیں اپنا رزق حاصل کرنے کے لیے اللہ کی ان صفات کا اقرار کرنا چاہیے۔ اور پھر یہ کہ رزق حاصل کرنے کے لیے یہ اور یہ تدابیر اختیار کرنی چاہییں اور یوں اس کے لیے اس اس طرح تگ و دو کرنی چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خالق پرورشِ مخلوقات کو اپنے ذمے کا کام قرار دیتا ہے۔ اور بندگی اطاعت، عبادت اور فرماں برداری کو مخلوق کے ذمے کا کام قرار دیتا ہے۔ وہ اپنے ذمے کا کام ہر لمحہ، ہر لحظہ، ہر گھڑی، ہر ساعت اور ہر حالت، ہر صورت، ہر جگہ، ہر کہیں، اور ہر کسی کے ساتھ سرانجام دے رہا ہے اور وہ خالق کے حقوق کی ادائیگی کا کام اپنی مخلوق سے سرانجام دیے جانے کی توقع رکھتا اور تکرار کے ساتھ اس کا حکم دیتا ہے۔ مخلوقات میں بھی ہر کہیں یہی نظر آتا ہے کہ اُن کا وسیع ترین دائرہ ہمہ تن بندگی اور عبادت و اطاعت میں ہی مصروف ہے، کہیں بھی انکار و انحراف یا بغاوت نہیں ہے۔ آقا نے جس شے کے لیے جو قانونِ طبعی مقرر کر دیا ہے وہ اس کی اطاعت میں شب و روز مصروف و سرگرداں ہے۔ کوئی اس سے لحظہ بھر کے لیے بھی انحراف کی جرأت نہیں کرتا۔ عالمِ طبیعات کا تمام تر حلقہ اسی امر کی گواہی دیتا ہے۔

سورج بہت ہی قوی ہیکل مخلوق ہوتے ہوئے ایک طویل گردش کا سفر طے کر کے ایک عاجز اور مطیع فرمان بندے کی طرح وقت مقررہ پر مشرق سے سر نکالتا ہے اور دُنیا والوں کے بارے میں اپنی ڈیوٹی سرانجام دینے میں شب و روز مصروف ہے۔ سورج اپنی ڈیوٹی میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی نہیں

کرتا۔ چاند اپنے مدار کے گرد حکم کا بندہ بنا ہوا سرگرداں رہتا ہے۔ تارے اُس کے حکم سے اپنے اپنے حدُود میں گردش کرتے اور ٹمٹماتے ہیں۔ سمندر، دریا اور ندی نالے اس کے حکم کے بندے ہیں۔ وہ اس کی بتائی سمت اور اسی کے مقرر کردہ راستوں پر پوری شانِ بندگی سے رواں دواں رہتے ہیں۔ اور ساری کائنات کی ساری مخلوق اس بندگی کی یک طرفہ شاہراہ پر چلی جارہی ہے۔ بندگی کی اس ایک ہی سمت اور ایک ہی منزل کی طرف رواں دواں کروڑوں اور اربوں چیزوں کے سفر میں کہیں کوئی باہمی ٹکراؤ نہیں ہے۔ کوئی تصادم نہیں ہے، کوئی فساد نہیں ہے۔ پوری کائنات پوری ہم آہنگی سے بندگی کے وسیع و عریض راستے پر گامزن ہے۔ قوانین طبیعیات کی یہ شاہراہِ بندگی ایسی ہے کہ اس شاہراہ پر کوئی تصادم نہیں ہے۔ لیکن اس سارے ہجومِ مخلوقات میں صرف ایک انسان ہے جسے نہایت ہی محدود سے دائرے میں اُس کی مرضی اور ارادے کی تھوڑی سی آزادی دے دی گئی ہے۔ یہ تھوڑی سی آزادی کا دائرہ ہی اس کا دائرہ مسئولیت ہے۔ اس کی زندگی میں اس کے اعضاء و جوارح اس کے امروز و فردا، اس کے آس پاس کے ذرائع و وسائل اور سروسامانِ زیست سب اسی طبعی بندگی کی جبلّی زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں۔ لیکن انسان کو اپنے ارادے اور مرضی کی تھوڑی سی آزادی کا احساس میسر ہے اور اسی دائرہ آزادی میں جس عظیم فساد و تباہی کا سلسلہ اُس نے دُنیا میں اپنی آمد کے بعد سے شروع کر رکھا ہے اس کی مثال کائنات کی کسی دوسری مخلوق کے دائرے میں موجود نہیں ہے۔ بے شعوری، بے علمی، اور بے خبری کی آزادی سخت خطرناک چیز ہے۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے اپنی ربوبیت کا ایک دوسرا مظہر سلسلۂ نبوت کی صورت میں ظاہر فرمایا ہے۔

رزق رسانی اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کا وہ پہلو ہے جو وسیع ترین، کامل ترین اور جامع ترین ہے اُس کی وسعت، اس کی باریکیاں اور نزاکتیں خود مالک ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن اس کتابِ ہدایت میں ہر دَور کے انبیاء کی معرفت بار بار انسان کے سامنے یہ بات ضرور آتی رہی ہے کہ وہ اپنی تمام مخلوقات کا رب ہے اور رازق خود اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور اس معاملے میں اصولِ تقسیم کی تمام تر حکمت اسی کے بالاتر علم میں ہے۔

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (البقرہ - ۲۱۲) — اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے بے حساب رزق دے۔

ملک، حکومت اور عزت و دولت، بھلائی اور بلندی کے بارے میں اپنے کلی اختیارات کا اظہار کرتے ہوئے اور رات کو دن میں پرونے، دن کو رات میں داخل کرنے، جاندار کو بے جان میں سے نکالنے اور بے جان کو جاندار میں سے خارج کرنے کے حیرت انگیز عمل کا ذکر کرتے ہوئے اس نے پھر اس بات کو دوہرایا ہے کہ:- وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (آل عمران - ۲۷) وہ جسے چاہتا ہے اپنا رزق بے حساب دیتا ہے۔

چونکہ وہ سب کا خالق ہے، اس لیے وہ سب کا رازق بھی ہے اور جس طرح اس نے خلق میں کسی ملک و ملت کا امتیاز نہیں رکھا ہے اسی طرح رزق رسانی میں بھی اس نے کسی ملک و ملت کا امتیاز نہیں کیا ہے۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کعبہ کے بعد یہ دعا کی:-

" اے میرے رب، اس شہر کو امن کا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت کو مانیں انہیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دے۔"

تو اس کے جواب میں رب العالمین نے اپنی ہمہ گیر رزاقی کے پیش نظر حضرت ابراہیمؑ کے تصور میں فوراً اصلاح کر دی اور فرمایا کہ:-

قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ - (سورۃ البقرہ - ۱۲۶)

ترجمہ " جو نہ مانے گا دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان رزق تو میں اسے بھی دوں گا البتہ آخرکار اُسے عذاب جہنم میں جانا ہوگا جو بدترین ٹھکانہ ہے۔

اپنی سرکشیوں کے نتیجے میں یہود پر وبال پڑا تو وہ خدا کو بھی جلی کٹی سنانے لگے کہ ہمارے لیے تو اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ یہودیوں کی ان جلی کٹی باتوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا کہ:-

بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ (المائدہ ۶۴)

ترجمہ:- اللہ کے ہاتھ تو کشادہ ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے: خرچ کرتا ہے"۔

کفارِ قریش کے مذاق اُڑانے کے جواب میں بھی یہی فرمایا گیا ہے:-

قُلْ أَغَيْرَ اللّٰهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ (الانعام - ۱۴)

ترجمہ " کہو اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا سرپرست بنالو، اس خدا کو چھوڑ کر جو زمین و آسمان کا خالق ہے، جو روزی دیتا ہے اور روزی لیتا نہیں ہے"۔

پھر مشرکینِ مکہ کو ہدایت دیتے ہوئے جو اپنی لڑکیوں کو رزق کے ڈر سے قتل کر دیتے، یا انہیں زندہ دفن کردیتے تھے، فرمایا:۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ

(الانعام - ۱۵۱)

"اپنی اولاد کو تنگی کے ڈر سے قتل نہ کرو کیونکہ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔"

گویا رزق کا کلی اور مکمل ذمہ صرف اللہ رب العالمین کا ہے اور اس سلسلے میں جو لوگ اس کام کو اپنا ذاتی ذمہ سمجھ کر منصوبہ بندیاں کرتے اور افراد اور قوموں کو مبتلائے مصیبت کرتے ہیں وہ اپنی جہالت کے سوا اور کسی چیز کا ثبوت فراہم نہیں کرتے۔ رزق رسانی کا انتظام خدا کے سوا کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے اور یہ وہ خدا ہے جس نے زمین بنائی اور اس پہ انسان کو لا کر بسایا ہے جس طرح وہ پہلے آنے والی انسانی مخلوق کو رزق دے رہا ہے اسی طرح وہ بعد میں آنے والی مخلوق کو بھی رزق دے گا۔ جس نسبت سے آبادی بڑھتی چلی جاتی ہے اسی نسبت سے اس زمین کا مالک معاشی ذرائع و وسائل بھی بڑھاتا چلا جاتا ہے اور اگر اس دنیا میں وارد ہونے والا انسان کھانے کے لیے ایک منہ لے کر آتا ہے تو کام کرنے والے دو ہاتھ بھی وہ اپنے ہمراہ لاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اسی صفتِ رزاقی نے حضرت زکریاؑ کو بے تاب کر دیا تھا جب انہوں نے حضرت مریمؑ کے حجرے میں موسم بے موسم اور وقت بے وقت رنگ برنگ کے پھل پھول اور سروسامانِ زندگی دیکھے۔ انہوں نے پوچھا کہ مریمؑ اتنا کچھ یہ سامان تمہارے پاس اس گوشہ نشینی میں کہاں سے آتا ہے؟ مریم نے نہایت معصومیت سے جواب دیا تھا۔

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (آل عمران - ۳۷)

ترجمہ: "یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے، اللہ جسے چاہتا ہے، بے حساب دیتا ہے۔"

رب العالمین، پرورش کرنے والا اور رزق دینے والا ہونا اتنی بڑی متفق علیہ حقیقت ہے کہ اس سے کبھی کفار کو بھی انکار نہیں ہوا۔ چنانچہ اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ سے کہتا ہے کہ ذرا ان منکرینِ دین سے یہ تو پوچھو کہ ان کو زمین و آسمان سے رزق کون دیتا ہے اور کون تدبیرِ عالم

کرتا ہے؟

قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ مَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (یونس - ۳۱)

ترجمہ:- ان سے پوچھو کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں۔ کون بے جان سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو نکالتا ہے۔ کون اس نظم عالم کی تدبیر کو کر رہا ہے۔ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔ تو کہو پھر تم اس سے ڈرتے نہیں ہو؟

پھر رب العالمین منکرین حق سے، جو رزق کے بارے میں ہمیشہ فکرمند رہتے ہیں۔ جو زیادہ رزق ملنے پر غرور و تکبر سے اکڑ بازی اور شیخی کرتے ہیں اور رزق کم ہونے پر سخت مضطرب اور بدحال ہو جاتے ہیں، ان سے کہتا ہے:-

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (ھود - ۶)

ترجمہ:- زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو اور جس کے متعلق وہ نہ جانتا ہو کہ کہاں وہ رہتا ہے اور کہاں وہ سونپا جاتا ہے۔ سب کچھ صاف دفتر میں درج ہے۔

اندازہ کیجیے کہ ہر جاندار کا رزق جو مختلف انواع کا ہے، ہر جاندار کا ٹھکانہ کہ وہ کہاں کس کس حال میں رہتا ہے اور مر کر کہاں سونپا جاتا ہے، ہر چیز اُس مالک کے ریکارڈ کی کتاب میں واضح طور پر درج ہے۔ اس لیے کہ وہ رب العالمین ہے۔ جب وہ رزق دیتا ہے تو اُسے رزق لینے والے کے کوائف سے آگاہی اور اُس کے طرزِ عمل سے واقفیت بھی ضروری ہے اور اسے رزق رسانی میں وہ کسی کا پابند نہیں ہے بلکہ اس کی مشیت اس کا اندازہ خود لگاتی ہے۔

اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ (الرعد ۲۶)

ترجمہ:- اللہ جس کو چاہتا ہے رزق کی فراخی بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے کم رزق دیتا ہے۔

راہ حق کے شہداء کے بارے میں فرمایا گیا کہ:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ (سورۃ الحج ۵۹)

ترجمہ:۔ اور اللہ ہی بہترین رازق ہے وہ اُن کو ایسی جگہ داخل کرے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے، بے شک اللہ علیم و حلیم ہے۔

طلاق کے معاملے میں باہمی زیادتی سے منع کیا گیا اور مرد کے ذمے عدت کے دوران کا پورا خرچ لگایا گیا۔ ساتھ ہی مرد کو دل کی تنگی سے بھی منع کیا گیا کہ وہ یہ نہ کہے کہ وہ اپنے پاس سے دے کر کچھ احسان کرتا ہے۔ بلکہ درحقیقت اللہ ہی ہے جو اُسے بھی رزق دیتا ہے۔

وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق - ۳)

ترجمہ:۔ اور اللہ اُس کو ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اُس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین اپنے بندوں کو رزق دینے میں ایسا ہی فراخدلانہ طریقہ اختیار کرتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو ایسے راستوں سے رزق دیتا ہے جدھر سے رزق ملنے کا انہیں گمان بھی نہیں ہوتا۔ وہ اپنے بندوں کو اپنی رزق رسانی کے حیرت انگیز ذرائع اور طریقوں سے حیران کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی ربوبیت کی وسعتوں کی کوئی حد نہیں ہے۔ بے حد و حساب بھلائیاں اور خوبیاں اس کی ذات سے ہر چہار طرف پھیل رہی ہیں۔ وہ ایسی بلند و برتر ہستی ہے کہ کہیں اس کی بلندی ختم نہیں ہوتی۔ اور وہ ایسی فیاض اور فراخ دست ہستی ہے کہ کہیں اُس کی سخاوت اور فراخی تمام نہیں ہوتی۔ اُس کی ہر خوبی مستقل ہے اور اُسے زوال نہیں ہے۔ باری تعالیٰ اپنی تمام تر خوبیوں اور بھلائیوں کے ساتھ اپنی مخلوق کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ اور اُس کی ساری مخلوق اس کی فیاضی، رزق رسانی اور خزائن کی فراوانی سے فیض یاب ہو رہی ہے۔ پھر اُس کی بے لاگ فیاضی کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ وہ مومن و کافر، تابع و نافرمان سب پر مساوی و محیط ہے۔ کسی کے بس میں نہیں ہے کہ وہ اس کی فیض رسانی کو اپنے لیے ہی مخصوص و محدود کر لے یا اپنے کسی مخالف گروہ کو اس سے محروم کر دے۔ وہ نیک و بد ہر فریق کو دُنیا کی زندگی میں اپنی عمومی صفتِ ربوبیت

کی بنا پر سامانِ زیست دیے چلا جا رہا ہے۔ یہ اُس پروردگار کا خاص عطیہ ہے اور اس کی عطا کو روکنے کی کسی میں ہمت جرات نہیں ہے۔

حضرت ابراہیمؑ سے جب ان کی قوم نے جھگڑا کیا تو انہوں نے قوم سے پوچھا کہ جن بتوں کو وہ پوجا کرتے ہیں کیا وہ انہیں کوئی نفع یا نقصان بھی پہنچاتے ہیں اور جب انہوں نے نفی میں جواب دیا تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ میں تو ان سب بتوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ میں تو صرف اس پروردگار رب العالمین کو مانتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا ہے، جو میری رہنمائی کرتا ہے، مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے۔ اِسی طرح حضرت ابراہیمؑ نے رب العالمین کو تسلیم کرنے کا جو سبب بیان کیا ہے وہ اُس کی ربوبیت ہے۔

یہ اُس کی ربوبیت کا ہی مظہر ہے کہ وہ پیدا کرتا ہے۔ لیکن پیدا کر کے کسی کو دُنیا میں یوں ہی چھوڑ نہیں دیتا بلکہ قدم قدم پر اس کی مدد، رہنمائی اور خبر گیری کرتا ہے۔ اس کی پرورش، نگہداشت اور حاجت روائی کرتا ہے۔ انسان کی دُنیا میں آمد سے پہلے ہی وہ اس کی ماں کے سینے میں دُودھ پیدا کر کے اس کا راشن جاری کر دیتا ہے۔ اس وقت چونکہ اس کے منہ میں دانت نہیں ہوتے اور اسے ہلکی زود ہضم اور پتلی غذا (LIQUID DIET) کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے اس کے لیے دُودھ کا راشن مقرر کیا جاتا ہے۔ اس وقت اگر اُسے دُودھ پینا نہ آئے تو گوشت کے اس بے خبر لوتھڑے کو دُنیا کی کوئی طاقت بھی پینا نہیں سکھا سکتی۔ لیکن رب العالمین اپنے بندے کو ماں کے پیٹ سے ہی جبلتہً دُودھ پینے کی ترکیب بتا کر اور اس کی تربیت دے کر بھیجتا ہے تاکہ وہ جاتے ہی سب سے پہلے اپنی روزی کی خوراک حاصل کر سکے۔ پھر یہ تربیت و رہنمائی اُسے زندگی کے ہر ہر مرحلے پر حاصل ہوتی رہتی ہے اور کوئی ان دیکھی قوت پوری عمر اور عمر کی پوری مدت کی آخری گھڑی تک برابر اُس کی مدد، حفاظت، خبر گیری، حاجت روائی اور تربیت کا فریضہ سرانجام دیتی رہتی ہے۔ زندگی کے جس جس مرحلے پر جس جس نوعیت کے سروسامان کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے، نشوونما اور بقاء وارتقاء کے مقاصد پورے کرنے کے لیے وہ اسے ہر ہر قدم پر فراہم کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ سروسامان زمین سے آسمان تک ہر کہیں پھیلا ہوا ہے۔ پھر اس سروسامان سے استفادہ کرنے اور کام لینے کی قوتوں اور صلاحیتوں کی اسے جس درجہ ضرورت اور حاجت ہوتی ہے وہ سب

اُسے عطا کر دی جاتی ہیں۔

زندگی کے جس شعبے سے اُسے واسطہ پڑتا ہے اور اُسے وہاں جس جس نوعیت کی رہنمائی درکار ہوتی ہے، وہ اُسے پوری طرح فراہم کی جاتی ہے۔ اس کے وجود کو محفوظ اور کارآمد رکھنے کے لیے جن اسباب و سر و سامان کی اس کے وجود کے اندر اور باہر حاجت ہوتی ہے وہ سب اسباب اور سر و سامان اُسے فراہم کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی حفاظت و ارتقاء کے یہ سر و سامان نہ ہوتے تو انسان معمولی سے حادثے کا شکار ہو کر ہی ختم ہو جاتا۔ خالق و پروردگار کی یہ ہمہ پہلو اور ہمہ گیر ربوبیت ہے جو ہر آن اور ہر پہلو سے اس کی دستگیری کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اُس ذات کے علاوہ کسی کو اپنا حاجت روا اور دستگیر سمجھنے سے زیادہ بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے۔ حقیقت عظمیٰ تو یہی ہے کہ اسی رب العالمین کا دامن تھاما جائے اور اسی کے آگے سرِ عبودیت جھکایا جائے، اس لیے کہ تنہا وہی اس بات کا حقدار ہے کہ اس کے سامنے سجدہ ریزی کی جائے اور اُس کی اس عظیم و وسیع و ہمہ گیر ربوبیت کا شکر ادا کیا جائے۔

اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ (سورہ النمل - ۶۴)

ترجمہ:- اور وہ کون ہے جو خلق کی ابتداء کرتا اور اس کا پھر اعادہ کرتا ہے اور کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ان کاموں میں حصہ دار ہے؟

یہ چیلنج اس لیے ہے کہ حقیقتاً" اس چیلنج کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ نہ خلق پیدا کرنا کوئی سیدھا سادا کام ہے اور نہ خلق کی رکھوالی، پرورش اور اس کی ہر لحظہ بدلنے والی ضروریات کی کفالت کسی کے بس کی بات ہے۔ اس زمین پر لاکھوں ہی قسم کے حیوانات ہیں جن میں سے ہر نوع کے کروڑوں اور اربوں بلکہ کھربوں افراد موجود ہیں۔ اور ہر لمحہ نئے سے نئے وجود میں آ رہے ہیں۔ کچھ مر رہے ہیں کچھ پیدا ہو رہے ہیں۔ جو ہیں وہ مختلف مراحل میں ہیں اور زندگی کے ہر مرحلے میں ان کی ضروریات و حاجات مختلف ہیں۔ ان کی صرف غذائی ضروریات کا ہی اندازہ لگانے کی کوشش کی جائے تو انسان دم بخود ہو کر رہ جاتا ہے۔ لیکن ان سب کی

غذائی ضروریات کا سامان ان کی قریب ترین دسترس میں رکھ دیا گیا ہے اور وہ بے پناہ مقدار میں موجود ہے جس کے نتیجے میں وہ خود بخود خوراک پاتے ہیں اور اُن میں سے کوئی بھی خوراک سے محروم نہیں رہتا۔ اس فراہمیٔ غذا میں اتنی بے شمار قوتیں زمین سے آسمان تک کام کرتی ہیں کہ انسان حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ اگر سورج کی گرمی، ہوا کی روانی، پانی کی سیرابی اور زمین کے مختلف مادے ٹھیک ٹھیک تناسب سے باہم مل کر غذا کا سامان مسلسل اور پیہم نہ کرتے رہیں تو اُن کو غذا کا ایک ذرہ بھی مہیا نہیں ہو سکتا۔ لیکن ربوبیتِ الٰہی کے یہ سارے چاکر دم بخود اور چپ چاپ اِس کارخانۂ کائنات کے اندر مزدوروں کی طرح سارے کام کرتے رہتے ہیں اور کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی نہ تھکتے ہیں اور نہ رُکتے ہیں اور نہ عدمِ تعاون کرتے ہیں۔

یہ انتظام و انصرام ایک حکمتِ ربّانی پر قائم و دائم ہے اور وہی حکمتِ ربانی ذرّے ذرّے کی نگہداشت کا سامان اپنے آپ کرتی رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس چیلنج کا جواب کس کے پاس ہے۔ بس یہ اُس کی قدرت ہے کہ وہ خلق پیدا کرتا ہے اور یہ اسی کے بس میں ہے کہ اپنی مخلوق کی ربوبیت پرورش اور کفالت بھی کرتا ہے۔

پھر اس رزق رسانی میں وسعت اور تناسب کا بھی ایک نظام ہے۔

یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ (القصص - ۸۲)

ترجمہ: اپنے بندوں میں سے وہ جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اُسے نپا تُلا دیتا ہے۔

اس قانونِ رزق رسانی کے تحت فراوانی کسی انعام کی علامت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہمیں فرعون و نمرود، شدّاد اور ہامان جیسے ربوبیتِ الٰہی سے انحراف اور غداری کے مرتکب بھی مال و دولت میں کھیلتے دکھائی دیتے ہیں اور ابوذر غفاریؓ، بلالؓ، خبابؓ اور اویسؒ قرنی جیسے لوگ بھی فاقہ مستی میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات رزق کی فراوانی اور کشادگی اُلٹی عذاب کا باعث بن جاتی ہے اور تنگیٔ رزق راہ راست پر چلنے کا ذریعہ اور اپنے مالک سے تعلق کو تازہ اور قائم رکھنے کا سبب بن جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضور اکرمؐ اپنے لیے رزقِ کفاف کی دُعا فرمایا کرتے تھے۔ حضورؐ نے رزقِ کفاف۔ یعنی بہ الفاظِ حضرت عیسیٰؑ "روز کی روٹی جو بس کفایت ہی کرے" کی وجہ یہ

بتائی کردہ اپنے مالک سے اپنا روز کا رزق طلب کرکے اس سے اپنا تعلق قائم اور تازہ رکھنا چاہتے ہیں، کیونکہ رزق کی فراوانی اکثر ایک شخص کو اپنے خالق و مالک سے غافل کر دیتی ہے۔ اگرچہ سطحی بین لوگ دوسروں کے پاس رزق کی فراوانی کو رشک کی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن وہ نہیں جانتے کہ یہی فراوانی کبھی ان کے لیے دنیا میں پاؤں کا پھندا اور آخرت میں عذاب کی بیڑی بن جاتی ہے۔ یہ تو اہل ایمان کی ہی خوبی ہوتی ہے کہ وہ کم ظرف اور جامے سے باہر نہیں ہوتے اور اپنے مضبوط ایمان کی بنا پر اللہ کو ہی سارے خزانوں کا مالک کہتے ہیں۔ اگر انہیں رزق کشادہ ملے تو خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور خدا کی مخلوق کا حق اپنے مال و دولت میں سمجھتا اور اُسے ادا کرتے ہیں اور اگر رزق تنگ ہو جائے اور تنگدستی ہو تو صبر سے کام لیتے ہیں اور اسے خدا کی طرف سے ہی ایک آزمائش کہتے ہیں۔ کسی حالت میں بھی وہ اپنی دیانت و امانت و خودداری کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور اپنی ساری توقعات اپنے مالک سے ہی وابستہ رکھتے ہیں۔

چنانچہ فرمایا گیا۔

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (سبا - ۳۹)

ترجمہ:۔ اے نبیؐ ان سے کہو، میرا رب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے جو کچھ تم خرچ کر دیتے ہو اس کی جگہ وہی تم کو اور دیتا ہے اور وہ سب رازقوں سے بہتر رازق ہے۔

گویا یہ بات بار بار دہرا دہرا کر فرمائی گئی کہ رزق کی فراہمی تو ربوبیت کا بنیادی تقاضا ہے۔ رہی رزق کی کمی و بیشی تو اس کے لیے مشیت کا اپنا ایک قانون اور پیمانہ ہے جسے مخلوق سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ جہاں تک رزق پانے کا تعلق ہے، ہر ذی روح پا رہا ہے۔ لیکن رزق کی فراوانی اور تنگی کا قانون مختلف ہے اور اس قانون میں اطاعت اور نافرمانی کو پیمانہ نہیں بنایا گیا ہے۔ اس کا پیمانہ پسند و ناپسند سے بھی مختلف ہے۔ نہ رزق کی تنگی معتوب ہونے کی علامت ہے اور نہ رزق کی فراوانی محبوب و پسندیدہ ہونے کی دلیل ہے۔ حقیقی مطلوب چیز خدا کی رضا ہے جو حاصل کرنے کی چیز ہے اور وہ اس کی اطاعت و بندگی سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ خدا کی رضا اس کی مشیت سے مختلف چیز ہے اور انسان کو خدا کی مشیت کی ٹوہ میں سرگرداں ہونے کی بجائے اس کی رضا کو حاصل کرنے کی سعی کرنی چاہیے جو معلوم و معروف چیز ہے۔ (باقی)